تحریک آزادی کا مقدمتہ الجیش

ماہر القادریؒ

میری جوانی کا زیادہ تر حصہ حیدر آباد دکن میں گزرا ہے۔ یوپی، پنجاب، بہار اور دوسرے صوبوں کے مشاہیر کے حالات اور خبریں دکن ہی میں دوسروں کی زبانی سنا کرتا تھا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر و خطابت کی شہرت میں نے وہیں سنی اور تواتر کے ساتھ اہل علم کی زبانی سنی۔ اخبارات میں بھی اکاذکر آتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ شاہ صاحب (مرحوم) سے ملوں۔ بات چیت کروں اور ان کی تقریر سنوں۔ مگر شاید تمنا خام تھی۔ اس لئے مشیت کا ایماء تھا۔

اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

میں حیدر آباد دکن سے اپنے وطن سال کے سال آیا کرتا تھا۔ ایک بار اپنے ایک عزیز کے یہاں علی گڑھ میں آکر ٹھہرا تو ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ پرسوں مسلم یونیورسٹی میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر تھی۔ یہ خبر سن کر اپنی محرومی پر افسوس ہوا کہ میں آج کی بجائے دو دن پہلے آجاتا تو شاہ صاحب کی تقریر سننے کا ارمان پورا ہو جاتا۔ یہ میں بائیس برس پہلے کی بات بیان کر رہا ہوں۔

ان صاحب نے بتایا کہ شاہ صاحب کی خطابت نے سننے والوں پر جادو سا کر دیا۔ خاصی طویل تقریر فرمائی۔ مگر سامعین نے ذرا سی بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا!

"سیفٹی ریزر سے گالوں کو کھرچنے اسے جوانی ظاہر نہیں ہوتی۔ جوانی تو وہ ہے جو رخساروں کے بال بال سے پھوٹ نکلے۔۔۔۔۔"

طلباء اور پروفیسروں کی غالب اکثریت "ڈاڑھی منڈوں" کی تھی۔ شاہ صاحب کے یہ جملے سن کر وہ نادم سے ہو گئے اور کسی کے تو سنا ہے ماتھے پر پسینہ آگیا۔

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم جو خطابت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ مولانا آزاد سے ٹرین میں ملاقات ہو گئی کئی گھنٹہ ان کا ساتھ رہا۔ میں نے ان سے "اجتہاد" کے بارے میں دریافت کیا۔ بولے۔ "نواب صاحب!

اگر دین میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا تو اس کے معنیٰ ہیں کہ "سعادت و فلاح" کی راہ میں دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔۔۔۔۔۔"

نواب صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا آزاد کی بات چیت ہی میں "تقریر و خطابت" کا لطف آگیا۔ مگر نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی شاہ صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ خود شاہ صاحب بھی نواب صاحب سے ملنے کی تمنا رکھتے تھے۔

بعض ارباب ذوق شاہ صاحب مرحوم کے جملوں کی نقل انہیں کے لہجہ میں کرتے ہیں۔ ایسی باتوں

نے میری آتش شوق کو اور تیز کر دیا۔ ایک صاحب نے بیان کیا کہ گونڈے میں شاہ صاحب نے عشاء کے بعد تقریر شروع کی ہے تو فجر کے وقت یہ شعر

محفل خموش صبح کے آثار جلوہ گر
اب حکم ہو تو ختم کروں داستاں کو میں

اپنے مخصوص دل کش ترنم میں پڑھا اور تقریر جب ختم کی ہے تو سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ اور لوگ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا سامعہ سچ مچ رات بھر "کوثر و تسنیم" میں ہلکورے لیتا رہا ہے۔۔۔ "خطابت شاہ صاحب کی کرامت تھی۔"

(غالباً) ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے کہ لائل پور کاٹن ملز کے مشاعرے میں میرا لائل پور جانا ہوا۔ اور وہاں جا کر یہ مژدہ ملا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان دنوں یہاں آئے ہوئے ہیں! جناب انور صابری پہلے سے لائل پور میں براجمان تھے۔ وہ شاہ صاحب سے مل بھی چکے تھے۔ میں نے شاہ صاحب کا ذکر چھیڑا تو بولے۔ میں تمہیں لے کر ابھی ابھی شاہ صاحب کی قیام گاہ پر چلوں گا۔ وہ بھی تم سے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں۔

شاہ صاحب مرحوم کے یہاں جو پہنچنا ہوا تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور خوب بھینچ بھینچ کر بغل گیر ہوئے انکی اس پذیرائی، غیر معمولی شفقت اور خورد نوازی کو دیکھ کر میں "فرش پا انداز" ہوا جاتا تھا۔ بیٹھتے ہی بولے:۔

"تمہارے شعروں سے میں کیا کام لیتا ہوں یہ میری تقریروں سے معلوم ہو گا"

پھر ان کے ایماء پر شعر خوانی ہوئی ایک غزل سنا چکتا تو دوسری کیلئے فرمائش کرتے۔ داد دینے کا انداز والہانہ تھا۔ میں نے زندگی میں بہت ہی کم لوگوں کو اتنی صحیح اور معقول داد دیتے ہوئے دیکھا ہے

دوسرے دن شام کو شاہ صاحب کی تقریر تھی۔ انکی تقریر سننے کا اشتیاق کشاں کشاں مجھے جلسہ گاہ میں لے گیا۔ شاہ صاحب نے تقریر کے آغاز ہی میں فرمایا

"دو آدمیوں کی دو تمنائیں تھی۔ ایک تمنا پوری ہو گئی یعنی میں نے ماہر القادری کا کلام ان کی زبان سے سُن لیا۔ ماہر القادری میری تقریر سننے کی تمنا رکھتے ہیں مگر میں اتنے بہت سے پنجابی بولنے والوں کو نظر انداز کر کے صرف ان کے لئے "اردو" میں تقریر کیسے کروں؟ مگر پھر بھی میں اپنی تقریر میں ماہر القادری کے ذوق و تمنا کی رعایت ملحوظ رکھوں گا۔"

حضرت شاہ صاحب نے ملی جلی اردو اور پنجابی میں تقریر کی یہ غالباً ان کا پہلا تجربہ تھا۔ زبان کی اس دو رنگی اور دو عملی نے تقریر میں خاصہ تکلف پیدا کر دیا۔ اتنے میں ایک صاحب کار لے کر مجھے لینے آ گئے۔ ڈپٹی کمشنر کے یہاں شاعروں کا ایٹ ہوم تھا۔

اس واقعہ کے دو ڈھائی سال بعد دلی میں شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان ایک پوسٹر میں نظر سے گزرا میں رات کو ٹھیک وقت پر جلسہ گاہ میں پہنچا۔ ہزاروں کا مجمع پہلے سے موجود تھا۔ اور لوگ آئے چلے جا رہے تھے۔

شاہ صاحب نے کلام پاک کی تلاوت کے بعد میر کے اس شعر سے اپنی تقریر کا آغاز کیا

اک موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی

یہ وہ زمانہ تھا جب وہ مسلم لیگ کے شدید مخالف تھے شاہ جی نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"اتنا بڑا مجمع کہ یہاں سے تھالی اُچھال دوں تو شاید ایک فرلانگ تک وہ تھالی سروں ہی پر اُچھلتی اور تیرتی رہے مگر میں سننے والوں کی اس بھیڑ سے کچھ خوش نہیں ہوں۔ تم لوگ کانوں کے عیاش ہو۔ تم تقریر کے چٹخاروں کیلئے یہاں آئے ہو۔ دوسرے کیمپ والوں کا جلسہ ہوتا ہے تو وہاں بھی تم اسی ذوق و شوق کے ساتھ جاتے ہو"

شاہ جی نے جب تقریر ختم کی تو تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ مگر محسوس یہ ہو رہا تھا کہ تقریر شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ شاہ جی کی شگفتہ بیانی نے وقت کی طوالت کا احساس ہی نہیں ہونے دیا۔ ورنہ ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد بڑے سے بڑے خطیب اور مقرر کی تقریر کھلنے لگتی ہے۔

اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں انہیں ملتان کے بسوں کے اڈے پر اس حالت میں کھڑے دیکھا کہ ملگجے کپڑے پہنے تھے۔ اور ہاتھ میں خاصا لمبا لٹھ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر تھے۔ اور مشہور یہ تھا کہ سیاست سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اور خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پھر شاہ جی نے ملتان کو اپنی اقامت گاہ بنا لیا۔ محلہ ٹبی شیر خان کے ایک معمولی سے کچے مکان میں رہتے تھے۔ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے مزے کی چائے پلائی "چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے۔ اور ان سب سے بڑھ کر ان کے لطیفے اور چٹکلے (چائے کی پیالی میں ان کے تبسم کی شکر گھل جانے سے لطف دوبالا ہو گیا) پہلی بار کی حاضری میں مجھ سے کہا اپنا "سلام" سناؤ۔ میں نے عرض کیا آپ تو کئی بار سن چکے ہیں۔ فرمایا "بھئی کچھ پردے میں رہنے والے بھی آپ کا "سلام" سننا چاہتے ہیں"

خاصی دیر تک شعر خوانی رہی۔ میرے اصرار پر اپنی فارسی نعتیہ غزلیں بھی سنائیں۔ شاہ جی کے بوریئے پر بیٹھ کر شعر سننے اور سنانے کا جو لطف آیا وہ لطف قیمتی صوفوں اور بیش قیمت قالینوں پر بھی میسر نہیں آیا۔ یہی وہ شانِ فقر ہے جس کے آگے سطوت شاہی دبتی اور مجرموں کی طرح شرماتی نظر آتی ہے۔

کراچی میں "تحفظ ختم نبوت" کا دفتر میرے مکان سے قریب ہی تھا۔ جب بھی شاہ جی کراچی تشریف لاتے۔ ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔ ایک بار ان کا ملتان سے آنا ہوا۔ مجھ سے پہلی ملاقات میں فرمایا۔

"آپ کا لکھا ہوا افسانہ ابوذر (شاہ جی کے سب سے بڑے فرزند) نے مجھے راستے میں سنایا تھا۔ افسانہ خوب تھا مگر افسانہ ہے اس میں جھوٹ ہی تو ہوتا ہے"

تقریباً ڈیڑھ سال ادھر کی بات ہے کہ مظفر گڑھ کے مشاعرے میں جانا نکل آیا۔ وہاں آتے جاتے جناب صابر دہلوی کے یہاں ملتان ٹھہرنا ہوا۔ پتہ لگا کہ شاہ جی بیمار ہیں۔ میں عاصی کرنالی صاحب کو ساتھ لے کر محلہ ٹبی شیر خان پہنچا وہاں جا کر پتہ لگا کہ شاہ جی لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ ان سے نہ ملنے کا اس وقت بھی

افسوس رہا اور اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے یہ افسوس رنج وملال میں بدل گیا۔۔۔۔۔ میرا ہی شعر ہے۔

کیا کام اسے معرکۂ تیغ و سناں سے
واعظ تو فقط زینت منبر کے لئے ہے

مگر شاہ جی ایسے واعظ تھے جو منبر کی زینت بھی تھے اور معرکۂ تیغ و سناں میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ انگریز کے مستبد دور میں حق گوئی کی بدولت جوانی کا آخری زمانہ اور اس کے بعد کے چند سال قید و بند کی مصیبت میں بسر کئے۔ چھوٹتے اور پھر گرفتار کر کے بند کر دیئے جاتے۔ یہ سلسلہ ایک دو نہیں اٹھارہ سال تک چلتا رہا۔ توپ، بندوق اور بم کے گولے تو گاندھی جی اور جواہر لعل نہرو نے بھی نہیں چھوڑے۔ انگریز کی مخالفت اور اس کی پاداش میں جیل خانہ تمام آزادی پسند لیڈروں کا یہی حال رہا ہے۔ عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم قربانی اور آزادی کی جدوجہد کی منزل میں "مقدمۃ الجیش" سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔

محبت رسول ﷺ ان کی سیرت و کردار کا سب سے بڑا نمایاں وصف ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کی محبت ان کے مزاج و طبیعت میں رچی ہوئی تھی۔ قادیان کی جھوٹی نبوت کے خلاف انہوں نے "لسانی جہاد" کیا ہے بس یہی عمل خیر ان کی مغفرت کے لئے کافی ہے (ان شاء اللہ العزیز)

شاہ جی کو جو غیر معمولی شہرت ملی اور قبول عام حاصل ہوا اس کا سبب ان کی خطابت تھی جس نے ان کی شخصیت کو ابھارا وہ بڑے حسین وجیہہ اور خوش شکل انسان تھے۔ سرخ و سپید رنگ، خوبصورت ناک نقشہ، آواز میں درد اور لہجہ میں شیرینی، تقریر کرنے کے لئے اسٹیج پر آتے تو ان کی صورت دیکھتے ہی لوگوں کے دل کھنچنے لگتے۔ سننے والوں کی دلچسپی کے لئے ہر چیز ان کے پاس تھی۔ شکل و صورت، آواز، لہجہ، طرز ادا، شیرینی، نغمگی، طنز، لطیفے، چٹکلے، کلامِ پاک کی تلاوت میں کس قیامت کا سوز اور درد تھا۔

وہ پڑھیں اور سنا کرے کوئی

شعر پڑھنے کا انداز زیادہ دلنشین تھا۔ تقریر کرتے کرتے موضوع سے دور چلے جاتے تو انکی خطابت کا زور اور بیان کی دل نشینی اس کا احساس بھی نہ ہونے دیتی۔ وہ اپنی ذات سے سچ مچ انجمن واقع ہوئے تھے۔ ان کی زندگی جفا کشی اور مجاہدہ کی زندگی تھی۔

آدابِ شریعت کی وہ نگہداشت نہ کرتے تو اور کون کرتا۔ وہ "امیر شریعت" تھے۔ حضرت شاہ جی اپنی ذات سے صالح اور خیر پسند تھے۔ اللہ تعالیٰ شاہ جی اعلی اللہ مقامہ کی قبر کو خنک اور روشن رکھے۔ (برد اللہ مضجعہ، نور اللہ مرقدہ) (ماہنامہ "فاران" نومبر ۱۹۶۱ء)